DEVELOPMENT OF ART, LITERATURE, CULTURE AND SCIENCE UNDER THE MUGHALS IN INDIA

International Seminar on 30th & 31st March 2018



Department of Arabic, Persian, Urdu & Islamic Studies
Bhasha-Bhavana, Visva-Bharati (A Central University), Santiniketan

DEVELOPMENT OF ART, LITERATURE, CULTURE AND SCIENCE UNDER THE MUGHALS IN INDIA

International Seminar

30th & 31st March 2017

Organized by

Department of Arabic, Persian, Urdu & Islamic Studies
Bhasha-Bhavana, Visva-Bharati (A Central University), Santiniketan

Editor

Dr. Mohammad Faique

Department of Arabic, Persian, Urdu & Islamic Studies
Bhasha-Bhavana, Visva-Bharati (A Central University), Santiniketan

2017

"Development of Art, Literature, Culture and Science Under the Mughals in India"

Edited by
Dr. Mohammad Faique

First Published: 30th March, 2017

Note:
There is no responsibility of Editor & Publisher regarding plagiarism of any article. If it arises then author will be liable who guaranteed his/her or their article (s) through submission of copyright declaration.

ISBN: 978-81-926703-2-4

Published by:
Department of Arabic, Persian, Urdu & Islamic Studies
Bhasha-Bhavana, Visva-Bharati (A Central University), Santiniketan
&
Baiwala, Kolkata

Printed at
Baiwala, GE-20, Rabindrapally, Baguiati, Kolkata-700 059

Price: 500.00 (Rupees Five hundred only)

CONTENT

غزلیات محتشم کاشانی: ایک مطالعہ

یاسر عباس غازی، بخش فارسی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی۔

محتشم کاشانی دور صفوی (دربار شاہ طہماسپ، دسویں صدی ھجری) کا مشہور و معروف شاعر ہے۔ شاعر کا اصل نام شمس الشعرا کمال الدین ابن خواجہ میر احمد ہے۔ کاشان میں متولد ہوا۔ شاعری میں مولانا صدقی استرآبادی سے اصلاح لی۔ شروع میں دنیاوی بادشاہوں کی مدح سرائی کی ان کی شان میں قصیدے لکھے۔ لیکن بادشاہان صفوی کی دین و آخرت کی جانب التفات کرنا محتشم کاشانی کی مرثیہ گوئی کا موجب بنا۔ شاعر نے مرثیہ گوئی میں وہ کمال کیا کہ ایران کا سب سے بڑا مرثیہ گو کہلایا۔ محتشم کاشانی کے حال میں رضازادہ شفق رقمطراز ہیں:

"صفوی دور کا مشہور ترین شاعر محتشم کاشانی، شاہ طہماسپ کے دربار کا شاعر ہے۔ جوانی میں اس شاعر نے عاشقانہ شعر لکھے تھے، غزلیں کہی تھیں اور بعض قصائد بھی لکھے تھے۔ لیکن صفوی دربار میں دینی مسائل کی طرف رجحان اور شیعیت کے احساسات کو دیکھ کر اس نے ایک نئے موضوع پر طبع آزمائی شروع کردی۔ اس نے ایسے اشعار اور ایسی نظمیں لکھنی شروع کردیں جن میں اہلبیتؑ کی مصیبتوں کا تذکرہ ہوتا تھا۔ اس صنف میں اسے بڑی شہرت حاصل ہوئی اور اس کے مرثیے دور دور تک مشہور ہوگئے۔ بلکہ اسے ایران کا سب سے بڑا مرثیہ گو کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا"۔[1]

محتشم کاشانی کی تاریخ پیدائش کے سلسلے میں محققین متفق نہیں ہیں۔ "اکبر بہداروند" دیوان محتشم کاشانی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"محتشم کاشانی که در سال 996 ھ ق وفات یافت گرچه تاریخ تولدش به طورقطع تعیین نشده است۔ ولی با مشخص کردن سال عمر و زندگانی او که در حدود 91 سال بود، می توان تاریخ تولدش را در905ھ دانست"۔[2]

محتشم کاشانی نے اپنے والد کے پیشہ بزازی (کپڑے کی تجارت) اختیار کیا ان کے مالی حالات شروع میں بہت اچھے تھے اسی لئے ان کے والد کو خواجہ کہا جاتا تھا اور آخر تک شاعری کے علاوہ اسی کاروبار سے جڑے رہے۔ لیکن کپڑے کا کاروبار ٹھپ ہونے کی بنا ان کے حالات دگرگوں ہوگئے۔ اس کا ذکر وہ اپنے کلام میں کرتے ہیں:

---

[1] تاریخ ادبیات فارسی، رضا زاده شفق، مترجم سید مبارز الدین رفعت،ص 463، کتب خانه خورشهدیه، لاہور (پاکستان)2011

[2] مقدمه دیوان محتشم کاشانی، اکبر بہداروند، ص 10، موسسه انتشارات نگاه، تهران 1382

وام چون از حد گذشت و راه سودا بسته گشت

برشکستم من وز این، درهم شکست آن کار و بار[3]

اس سلسلے ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا تحریر فرماتے ہیں:

"کمال الدین پیش ز شهرت در شاعری به بزازی برخاسته باشد و دور نیست که کمال الدین این پیشه را از پدر به ارث برده باشد۔ زیرا عنوان خواجه در آن روزگار عادتاً برای بازرگانان به کار برده می شده "۔[4]

محتشم کو ہندوستان آنے کی بہت تمنا تھی لیکن کبھی اپنی اس خواہش کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا۔ محتشم جانتا تھا کہ اگر ہندوستان پہنچ گیا تو بادشاہ اکبر کے دربار میں رسائی پاکر زندگی آسانی سے گزرے گی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ عبدالرحیم خانخانان ایسے باہنر اور باکمال افراد کی خوب مدارت کرتا ہے۔ ہندوستان آنے آرزو و خواہش اس کے دل میں جاگزیں تھی۔ شاعر اپنی اس خواہش کو اپنے کلام میں اس طرح بیان کرتا ہے:

ادبار بین که بی‌درمی چون من از عراق

نظمی روانه به جانب هندوستان کند[5]

محتشم کاشانی کا زمانہ میں سبک ہند یرواج پا رہا تھا۔ لیکن اس کے کلام سے سبک ہندی کی خصوصیات ناپید ہیں۔ اس کے برعکس ان کی تمام غزلیات میں قدیم شعراء کا اثر نظر آتا ہے۔ محمد علی مجاہدی (پروانہ) لکھتے ہیں:

" در سایر غزلیات خود به سبک عبد الرحمن جامی، بابافغانی شیرازی، وحشی بافقی نزدیک می‌شود که با سبک عراقی ارتباطی تام و تمام پیدا می‌کند"۔[6]

محتشم کاشانی کی اصل شہرت حالانکہ مرثیہ کی بناپر ہے۔ لیکن مرثیہ گوئی سے ماقبل محتشم نے جو شاعری کی ہے اس میں قصیدہ، غزل وغیرہ شامل ہیں۔ غزلیات میں محتشم نے نادر تشبیہات، تمثیلات، صنائع و بدائع کا استعمال کیا ہے۔ مضمون آفرینی و معنی آفرینی شعر کا اصل عنصر ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ شعر خوبصورت و دل انگیز ہوسکے۔ محتشم کہتے ہیں کہ معانی کو اذہان میں دوڑانا اتنا آسان نہیں ہے بہت کم لوگ اس سے عہدہ برآ ہو پاتے ہیں۔ محتشم کہتے ہیں:

---

[3]) دیوان محتشم کاشانی، اکبر بهداروند، ص 10، موسسه انتشارات نگاه، تهران

[4]) تاریخ ادبیات در ایران، ڈاکٹر ذبیح الله صفا ج2,انتشارات فردوس، خیابان مجاهدین اسلام،شماره 262،تهران1369

[5]) دیوان محتشم کاشانی، اکبر بهداروند، ص 339، موسسه انتشارات نگاه، تهران

[6]) کاروان شعر عاشورا، مجاهدی، ص۱۵۵ ،زمزم بدایت،تهران 1386

نیست پرآسان به دعوی محتشم با طبع تر

توسن معنی ز میدانی چنان انگیختن[7]

محتشم نے جو غزلیں کہی ہیں ان میں اچھوتے مضامین کا استعمال کیا ہے۔ جیسے کہ جب محتشم اپنے محبوب کو دیکھتا ہے تو اس کے حسن کی تعریف کرتا ہے اور تعریف کے ساتھ ساتھ اس کو حاسدوں کی نگاہ سے محفوظ رہنے کی دعا دیتا ہے اور اس دعا میں ایک سادگی ہے۔

ندیدم از نکورویان نظیر آن ترک مه رو را

خدا از چشم بد دارد نگاه آن روی نیکو را[8]

اسی غزل کے دیگر شعر میں کہتے ہیں کہ میں نے جب سے اپنے محبوب کا چہرہ دیکھا ہے میری نگاہوں میں خورشید کی کوئی اہمیت نہ رہی۔ اب چونکہ سورج کو طلوع ہونے کے بعد غروب بھی ہوتا ہے محبوب خدا سے دعا کر رہا ہے کہ الٰہی میرے محبوب کا حسن و وقار جوں کا توں باقی رہے سورج کی طرح غروب نا ہو۔

رخش تا دیده ام خورشید در چشمم نمی آید

الہی کم مکن از اوج خوبی آن مه رو را[9]

محتشم کا اپنے محبوب سے شکوہ و گلہ کرنے کا انداز بھی جداگانہ ہے۔ اس انداز سے شکوہ کرتے ہیں کہ محبوب سوچنے پر مجبور ہو جائے۔ محبوب جب دیکھنے کو منع کرتا ہے تو آپ کہتے ہیں مجھے دیکھنے سے کیوں روکتے ہو، خداوند عالم نے نگاہیں کس لئے دی ہیں:

کسی ز روی چنان منع چون کند مارا

خدا برای چه داده است چشم بینا را[10]

فراق یار میں اشکباری کرنا محبوب کا مشغلہ ہے۔ اکثر فراق یار میں عاشقوں کی نیند اڑ جاتی ہیں بعض عاشق درد جدائی کی تاب نا لا کر رو دیتے ہیں اور اتنا روتے ہیں کہ جیسے اپنے اشکوں کے سیلاب میں عالم کو بہالے جائیں گے۔ شاعر کہتا ہے:

---

7) دیوان محتشم کاشانی، اکبر بهداروند، ص 209، موسسه انتشارات نگاه، تهران
8) دیوان محتشم کاشانی، اکبر بهداروند، ص 17، موسسه انتشارات نگاه، تهران
9) دیوان محتشم کاشانی، اکبر بهداروند، ص 17، موسسه انتشارات نگاه، تهران
10) دیوان محتشم کاشانی، اکبر بهداروند، ص 12، موسسه انتشارات نگاه، تهران

گر بهم می زدم امشب مژه ی پرنم را

آب می برد به یک چشم زدن عالم را[11]

اس کے بعد شاعر ایام فراق کی جو کیفیت بیان کی ہے کہ اگر میں جوانی کے عالم میں ہی بوڑھا ہو جاؤں تو حیرت نہ کرنا اس لئے کہ تمہارے غم میں ہر دن ایک سال کی مانند گزرتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

گر در ایام جوانی پیر گردم دور نیست

زانکه بر من از غمت هر روز سالی دیگر است[12]

فراق کے مارو کا حالت ناگفتہ بہ رہتی ہے اس لئے ان سے وعدہ وصل کرکے عہد وفائی نا کرنا زخموں کو ہرا کرنے مانند ہے۔ یا محاورتی زبان میں کہا جائے تو "جلے پہ نمک چھڑکنا" ہے۔ بہتر تو یہی ہے کہ فراق کے مارو کو جھوٹے وعدے نا کئے جائیں:

سوخیه ی فراق را وعده ی خام ترمده

رسم کجا ست دمبدم آب زدن کباب را[13]

شاعروں کی زبان میں اکثر رقیب کو حاسد کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ جو ہمیشہ عاشق و معشوق کے درمیان خار کی مانند چبھتا ہے۔ جس کو عاشق اپنا سب سے بڑا دشمن گردانتا ہے۔ لیکن محتشم کاشانی اسی رقیب کو اپنا راز دار، اپنا مونس و ہمدم اپنا رفیق بنا لیا۔ یعنی جو رقیب وصل یار میں مانع ہوتا ہے محتشم نے اسی رقیب کو وسیلہ وصال بنایا ہے اور رقیب کی یاری کو دوستوں سے بھی برتر بیان کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

وصلم نصیب شد ز مددکاری رقیب

یاران مفید بود بسی یاری رقیب[14]

اکثر شعرا محبوب کے رخ کو چاند سے تعبیر کرتے ہیں کوئی سورج سے تشبیہ دیتا ہے لیکن محتشم نے جب اپنے محبوب کو سورج سے تشبیہ دی ہے تو اس کے حسن کے نور سے ہونے والے اجالے کو صبح صادق کہا ہے۔ اسلامی اصطلاح بھی ہے اور مشہور عام بھی کہ صبح کی دو قسمیں ہیں ایک صبح صادق اور ایک صبح کاذب۔ صبح کاذب یعنی جب اجالے کے بعد پھر

[11] دیوان محتشم کاشانی، اکبر بهداروند، ص 11، موسسه انتشارات نگاه تهران

سے اندھیرا ہو جائے، صبح صادق یعنی وہ سویرا کہ جس کے بعد دن نمودار ہو جائے۔ محتشم نے اپنے محبوب کے حسن کو صبح صادق کہا صبح کاذب نہیں یعنی اس کے نزدیک محبوب کا حسن عارضی نہیں بلکہ دائمی ہے۔ شاعر کہتا ہے:

بر شکن طرف کله چون بفکنی از رخ نقاب

صبح صادق کن عیان بعد از طلوع آفتاب[15]

اکثر ایسے اشعار مشاہدے میں آتے ہیں جن میں عاشق اپنے محبوب سے بوس و کنار کا طلبگار نظر آتا ہے۔ محتشم کا خیال اس سے بالکل جداگانہ ہے۔ ان کے نزدیک بوس و کنار کا طلبگار عاشق نہیں بلکہ ہوس پرست ہے۔ شاعر کہتا ہے:

بوالهوس راست ز خوبان طمع بوس و کنار

ورنه عاشق به همین گفت و شنو ممنونست[16]

فارسی شعراء نے عشق مجازی کے ذریعہ عشق حقیقی کی بات ہے مثلاً رومی، حافظ، سعدی وغیرہ کی شاعری عشق مجازی سے بھری پڑی ہے۔ یہ حسن و بادہ کی بات کرتے ہیں، ساقی کی بات کرتے ہیں۔ لیکن دراصل ان کا مقصد عشق حقیقی ہے یہ محبوب مجازی کے متلاشی نہیں بلکہ محبوب حقیقی کے متلاشی ہیں۔ اور میر انیس جیسے شعراء نے تو حسن مجازی کو دیکھ کر محبوب حقیقی کو پانے کا راستہ بچھایا ہے۔ مثلاً میر انیس کہتے ہیں:

پڑھے درود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو

خیال صنعت صانع ہے پاک بینوں کو[17]

اسی طرح کا مضمون محتشم نے بھی ادا کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

رخت که صورت صنع آشکار از آن پیدا ست

نشان دقت صورت نگار از آن پیدا ست

قدت که بر صفتش نیست هیچ کس قادر

کمان قدرت پروردگار از آن پیدا ست[18]

---

15) دیوان محتشم کاشانی، اکبر بہداروند، ص 22، موسسه انتشارات نگاه، تهران
16) دیوان محتشم کاشانی، اکبر بہداروند، ص 32، موسسه انتشارات نگاه، تهران
17) سلام میر انیس، علی جواد زیدی، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، نئی دہلی
18) دیوان محتشم کاشانی، اکبر بہداروند، ص53، موسسه انتشارات نگاه، تهران

ایک دوسری غزل میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

نور حق ز آینه ی روی تو دایم پیدا ست

این قدر هست که صاحب نظری پیدا نیست[19]

محتشم کاشانی نے محبوب کے حسن کی تعریف میں جو مبالغہ کیا ہے اس کی مثال کمیاب ہے۔ سرو سے اپنے محبوب کو تشبیہ تو دی ہے لیکن اس کے بعد سرو کو بھی کمتر ثابت کر دیا۔ اور حسب مبالغہ آرائی کی ہے تو اس قدر کہ محبوب کے بدن کو اتنا بڑھا چڑھا دیا کہ جنت کا لباس بھی اس کے شایان شان نہیں رہا اور ان مفاہیم کی ادائیگی کے لئے جس ردیف کا استعمال کیا ہے وہ بھی شاذ و نادر ہی نظر آتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

چون تو سروی در جهان ای نازنین اندام نیست

صد هزاران سرو هست اما بدین اندام نیست

حله ی جنت نباشد لایق اندام تو

زانکه در پیراهن حور این چنین اندام نیست[20]

اگر عاشق محبوب کا تعاقب کرے اس کی فکر کرے تو بسا اوقات محبوب کے لئے یہ امر مضر ہو جاتا ہے جس کی بنا پر محبوب کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے۔ لیکن شاعر اپنی اس عاشقی و آوارگی کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کتنی بہترین مثالیں پیش کرتا ہے کہ ہر پھول کے لئے بلبل ہے اور ہر شمع کے لئے پروانہ ہے۔ اب اگر عاشق کا پرندہ صفت دل لب و رخسار جیسے دانہ کا دیوانہ ہے تو کیا ہر پرندہ آب و دانہ کی تلاش میں رہتا ہے۔ کس قدر خوبصورت تمثیلات کے ذریعہ شاعر نے اپنے مفہوم کو ادا کیا ہے ان اشعار میں مراعات النظیر کا بھی بہترین استعمال کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

ای پری غم نیست گر مثل منت دیوانه ایست

هر گلی را بلبلی هر شمع را پروانه ایست

مرغ دل گرد لب و خال تو می گردد بلی

هر کجا مرغیست سرگردان آب و دانه ایست[21]

---

[19]) دیوان محتشم کاشانی، اکبر بهداروند، ص35، موسسه انتشارات نگاه، تهران

[20]) دیوان محتشم کاشانی، اکبر بهداروند، ص 46، موسسه انتشارات نگاه، تهران

[21]) دیوان محتشم کاشانی، اکبر بهداروند، ص 37، موسسه انتشارات نگاه، تهران

محبوب کی بے التفاتی و بے اعتنائی عاشق کے لئے بہت جانکاہ ہوتی ہے۔ اس کی کوشش یہی رہتی ہے کہ بھلے ہی کیسا مجمع ہو غیر لوگ ہوں پھر اس کا محبوب اس کی جانب التفات کرے۔ تبھی تو اردو کے شاعر نے کہا تھا:

بزم اغیار میں ہر چند وہ بیگانہ رہے

پھر آہستہ میرا ہاتھ دبا کر چھوڑا[22]

لیکن یہاں شاعر محبوب کی بے التفاتی و بے اعتنائی کے باوجود اپنے دل کو سمجھا رہا ہے، بہلا رہا ہے کہ اگر تمہارے سوال کا جوواب نہیں آیا تو کیا ہوا تمہارا سوال ہی عبث تھا۔ اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے شاعر نے اپنا تخلص بھی استعمال کیا اور پھر خود سے مخاطب ہوا کہ محتشم تم تمام عمر اس کی طلب میں رہے لیکن تمہارے خیالات عبث تھے۔ ان مفاہیم کی ادائیگی کے لئے شاعر نے جس ردیف کا استعمال کیا وہ بھی شاذ و نادر نظر آتی ہے۔ ردیف کے انتخاب نے کلام میں جان پیدا کر دی ہے" عبث بود عبث " کوئی اچھی ردیف نہیں ہے لیکن شاعر نے اسے بہت خوبصورتی سے نبھایا ہے یہ محتشم کی قادر الکلامی کی بین دلیل ہے:

به جوابی هم از او چون نرسیدی ای دل

زان غلط بخش سوال تو عبث بود عبث

محتشم فکر من اندر طلب او همه عمر

چون خیالات محال تو عبث بود عبث[23]

محتشم کاشانی نے صرف مرجہ بحور میں ہی شاعری نہیں کی بلکہ اس کے علاوہ طویل بحروں میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ لف و نشر و مراعات النظیر وغیرہ کے بہترین نمونے خلق کئے ہیں۔ جس سے محتشم کاشانی کی قادر الکلامی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ حکیم نجم الغنی خان نجمی رامپوری لف و نشر کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"صنعت لف و نشر میں لف سے مراد یہ ہے کہ چند چیزوں کا ذکر کیا جائے اور نشر کا مطلب ہے کہ ان چیزوں کے مناسبات کو بغیر تعیین کے بیان کریں"۔[24]

اور مراعات النظیر کی تعریف میں رقمطراز ہیں:

---

[22]) نا معلوم

[23]) دیوان محتشم کاشانی، اکبر بہداروند، ص 62، موسسه انتشارات نگاه، تہران

[24]) بحر الفصاحت، حکیم نجم الغنی رامپوری، ص 1405، ج2، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی مارچ 2006

"صنعت مراعات النظیر اس کو تناسب، توفیق، ایتلاف اور تلفیق بھی کہتے ہیں۔ یعنی ایسے الفاظ استعمال کرنا جن کے معنی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ سوائے نسبت تضاد کے کچھ مناسبت رکھتے ہوں۔ جیسے چمن کے ذکر کے ساتھ گل و بلبل وغیرہ"۔[25]

اب ان مذکورہ تعریفات کی روشنی میں ان شعر ملاحظہ فرمائیں:

زلف و قدت راست ای بت سرکش، چشم و رخت راست ای گل رعنا

سنبل و شمشاد هندو چاکر، نرگس و لاله بنده و لالا[26]

زلف و قد کے لئے سنبل و شمشاد بت سرکش کی مناسبت سے ہندو، چشم کی نسبت سے نرگس اور رخ کی نسبت سے لف و نشر مرتب کی بہترین مثال ہے۔

دنیا میں دو ہی جذبے پائے جاتے ہیں تیسرے جذبے کا کوئی وجود نہیں یا محبت یا نفرت ان ہی جذبات کا نام بدل کر دوستی اور دشمنی کر دیا گیا۔ لیکن ان دونوں جذبات پر گفتگو کرنے کے لئے ہر کسی کا اپنا اپنا انداز ہے اپنا اپنا خیال ہے۔ حافظ شیرازی تو دوستوں کے ساتھ ساتھ دشمنوں سے بھی مدارات سے پیش آنے کی بات کرتا ہے:

آسایش دوگیتی تفسیر این دو حرف است

با دوستان تلطف با دشمنان مدارا[27]

لیکن محتشم کاشانی دشمنوں کا ذکر ہی نہیں کرنا چاہتے ان کے مطابق دشمنی تشریح سے باہر ہے ان کے نزدیک دوستی کے معنی بھی سمجھائے نہیں جا سکتے اور دشمنی کی صورت ایسی ہے کہ بیان نا کی جائے تو زیادہ بہتر ہے:

دوستم با تو به حدی که ز حد بیرونست

دشمنم نیز به نوعی که ز شرح افزونست

معنی دوستی از گفت و شنود مستغنی است

صورت دشمنی آن به که نگویم چونست[28]

---

[25]) بحر الفصاحت، حکیم نجم الغنی رامپوری، ص 1369، ج2، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی مارچ
[26]) دیوان محتشم کاشانی، اکبر بہداروند، ص 15، موسسه انتشارات نگاه، تهران
[27]) دیوان حافظ
[28]) دیوان محتشم کاشانی، اکبر بهداروند، ص 32، موسسه انتشارات نگاه، تهران

محبوب کے دیدار کے بعد جو عاشق کی حالت ہوتی ہے وہ عید کی خوشی سے کم نہیں اسی لئے اکثر شعراء نے اپنے محبوب کو ہلال عید سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس طرح کے مضامین سے اردو شاعری بھری پڑی ہے۔ جس میں شاعر اپنے محبوب کے دیدار کو اپنے لئے عید قرار دے رہا ہے۔ اسی طرح کا مضمون محتشم نے بھی باندھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

گر بود مارا دو عید از دیدنت نبود بعید

زانکه بر طاقی ز ابرویت هلالی دیگر است[29]

شاعر کا کلام اس کے مافی الضمیر کا آئینہ ہوتا ہے اردو کا مشہور شعر ہے:

کھلتا کسی پہ کیوں یہ مرے دل کا مدعا

شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے[30]

لیکن محتشم نے اس مضمون کو تھوڑا اور وسیع کر کے بیان کیا ہے ان کے مطابق ان کی ہر غزل ان کی الگ کیفیات کی مظہر ہیں جیسے جیسے حالات بدلتے گئے غزلیں ہوتی گئیں:

محتشم چون هر زمان حالی دگر دارد ز عشق

هر غزل از گفته ی او حسب و حالی دیگر است[31]

الختصر یہ کہ محتشم کی شہرت کا دار و مدار حالانکہ مرثیہ گوئی پر ہے لیکن اس کے باوجود ان کے عاشقانہ و دنیاوی کلام کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ محتشم کا کلام جہاں آسان و زود فہم ہے وہیں صنائع و بدائع سے بھی آراستہ و پیراستہ ہے۔

---

[29]) دیوان محتشم کاشانی، اکبر بہداروند، ص 46، موسسه انتشارات نگاه، تهران

[30]) نا معلوم

[31]) دیوان محتشم کاشانی، اکبر بہداروند، ص 46، موسسه انتشارات نگاه، تهران